کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں! ہے کہ نہیں؟

کسی بھی مہذب معاشرے کی فکری اساس اور تہذیبی شناخت علم و تحقیق کی منت گزار ہے۔ قومیں اپنی افرادی قوت یا معاشی فراوانی سے زیادہ اپنی علمی روایت، تحقیقی لگن، تنقیدی شعور اور فکری دیانت کے سبب زندہ رہتی ہیں۔ جامعات محض ڈگریاں تقسیم کرنے کے مراکز نہیں ہوتیں بلکہ وہ انسانی ذہن کی تعمیر و تشکیل، فکری اور تہذیبی سرمائے کی منتقلی، عصری میلانات و معاملات سے آگہی کے ساتھ ساتھ طلبہ میں سوال اُٹھانے اور حقیقت کی تلاش کا ذوق بیدار کرتی ہیں مگر ہمارے ہاں جامعات اپنے اس فریضے سے قریب قریب دست کش ہو کر محض ڈگریاں بانٹنے کا کام کر رہی ہیں۔ سائنس کے شعبوں میں بالعموم اور سماجی علوم اور زبان و ادب کے شعبوں میں بالخصوص تحقیق کی موجودہ صورتِ حال اس قدر ابتر ہو چکی ہے کہ اس پر خاموش رہنا علمی بد دیانتی کے مترادف محسوس ہوتا ہے۔ گزشتہ چند دہائیوں میں تحقیق بتدریج ایک ایسی رسمی اور نمائشی سرگرمی میں تبدیل ہو گئی ہے، جس میں فکر کی گہرائی، مطالعے کی وسعت اور تنقیدی بصیرت روز بہ روز کم ہوتی جا رہی ہے اور تحقیق کے نام پر اقتباسات اور حوالوں کی جمع آوری اور ثقیل اصطلاحات کی نمائش بڑھتی جا رہی ہے۔ خاص طور پر زبان و ادب کے شعبوں میں مغربی فلسفیانہ نظریات اور تنقیدی تھیوریوں کا ایسا بے محل اور سطحی استعمال اس کثرت سے ہونے لگا ہے کہ جس نے تحقیق کے اصل جوہر کو دھندلا دیا ہے۔ ساختیات، پسِ ساختیات، ردِ تشکیل، جدیدیت، مابعد جدیدیت، نو تاریخیت اور ادبیات کے سماجی و تہذیبی مطالعات جیسے مباحث اپنی اصل میں نہایت اہم اور معنی خیز فکری رویّے تھے مگر ہمارے ہاں ان کا ستعمال اکثر و بیشتر محض علمی تفاخر اور ذہنی مرعوبیت کے اظہار تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ تحقیق کے طلبہ نہ تو ان نظریات کی فکری بنیادوں سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں اور نہ ہی اپنے ادب کے داخلی حسن، تہذیبی روح اور جمالیاتی نظام کا شعور رکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تحقیق ایک زندہ فکری مکالمہ بننے کے بجائے اقتباسات کے انبار میں دفن ہو جاتی ہے۔ مختلف کتابوں سے چند جملے اخذ کیے، چند غیر مانوس اصطلاحات شامل کیں، صفحات بھر دیے اور سمجھ لیا کہ تحقیقی مقالہ مکمل ہو گیا۔ گویا تحقیق اب دریافتِ حقیقت کا عمل نہیں بلکہ مواد جمع کرنے کی مشق بن کر رہ گئی ہے۔ اس صورتِ حال میں ریسرچ اسکالر ہی نہیں بلکہ

اساتذۂ جامعات، نگرانِ تحقیق، جامعات اور تحقیقی ادارے سب یکساں طور پر ذمہ دار ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ تحقیق کے معیار پر نگاہ رکھنے والے ادارے بھی اکثر رسمی کارروائیوں سے آگے بڑھنے کو تیار دکھائی نہیں دیتے۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن سے منظور شدہ کسی بھی تحقیقی جریدے کے مندرجات پر نگاہ ڈالی جائے تو علمی سطحیت، غیر معیاری موضوعات اور فکری انتشار کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ کہیں زبان تحقیق کے وقار سے محروم ہے، کہیں استدلال کمزور ہے اور کہیں پورا مقالہ محض نقل و ترتیب کا نمونہ محسوس ہوتا ہے۔ تحقیقی منطقے میں ہر سُو سرقے اور چربے کے عَلَم لہرا رہے ہیں۔ تعداد کو معیار پر ترجیح دینے کی روشِ بد نے تحقیق کو حقیقی معنوں میں نقصان پہنچایا ہے۔

اب اس زوال پذیر فضا میں مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) نے ایک نئے اور زیادہ پیچیدہ بحران کو جنم دیا ہے۔ بہ ظاہر یہ ایک جدید سہولت ہے، مگر اس کے غیر محتاط اور غیر ذمہ دارانہ استعمال نے تحقیق کے بچے کھچے وقار کو بھی خطرے میں ڈال دیا ہے۔ آج کا ریسرچ اسکالر موضوع کے انتخاب سے لے کر خاکہ سازی، مواد کی ترتیب و تنظیم اور مکمل مقالہ نویسی تک کے مراحل مصنوعی ذہانت کے سہارے عبور کرنے لگا ہے۔ یوں مطالعہ، غور و فکر، تنقیدی محنت اور فکری ریاضت کی جگہ سہل پسندی اور فوری نتائج کی خواہش نے لے لی ہے۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ مصنوعی ذہانت بذاتِ خود فکر و احساس سے بیگانہ اور شعور و آگہی سے عاری ہے۔ وہ محض ایک ایسی برقی مشین ہے جو انٹرنیٹ پر موجود لوازمے سے معلومات کشید کرنے کا ہنر جانتی ہے اور بس۔ اس کے پاس نہ تخلیقی وجدان ہے، نہ تہذیبی شعور، نہ جمالیاتی بصیرت اور نہ فکری امتیاز۔ وہ اپنی طرف سے کوئی حقیقی اضافہ نہیں کر سکتی۔ اسے یہ ادراک بھی حاصل نہیں کہ جس لوازمے کو وہ استعمال کر رہی ہے، اس کی علمی حیثیت، تاریخی وقعت اور تحقیقی قدر کیا ہے؟ اس کے نزدیک ایک سرسری تبصرہ، کوئی غیر مستند بلاگ اور ایک گہرا تحقیقی مقالہ یکساں حیثیت رکھتے ہیں، کیوں کہ وہ مواد کی روح نہیں، محض اس کی ظاہری ساخت کو پڑھتی ہے۔ یہ مسئلہ خصوصاً اُردو اور دوسری مشرقی زبانوں کے باب میں زیادہ سنگین ہے۔ ہمارے بڑے ادبی سرمائے کا ایک وسیع حصّہ ہنوز انٹرنیٹ پر موجود ہی نہیں۔ کلاسیکی متون، نادر تنقیدی مباحث، مستند شروح اور گہرے تحقیقی کام یا تو ڈیجیٹل دُنیا تک پہنچے ہی نہیں یا اُن پر محض سطحی اور نامکمل مضامین اور تبصرے موجود ہیں۔ ایسے میں مصنوعی ذہانت اسی کچے پکے اور غیر معیاری لوازمے کی بنیاد پر ایک بہ ظاہر خوش نما مگر اندر سے کھوکھلا محل تعمیر کر دیتی ہے۔ قاری بسا اوقات اس مصنوعی ترتیب و تنظیم اور رواں دواں زبان سے متاثر ہو جاتا ہے مگر حقیقت میں اس کے اندر وہ فکری گہرائی، تحقیقی دیانت اور تخلیقی حرارت موجود نہیں ہوتی، جو ایک سچے محقق کی پہچان ہے۔ سب سے زیادہ تشویش

ناک پہلو یہ ہے کہ مصنوعی ذہانت کے اس مسلسل فیضان نے نئی نسل سے سوچنے کی صلاحیت چھیننا شروع کر دی ہے۔

تحقیق بنیادی طور پر ذہنی مشقت، تنقیدی تربیت اور فکری صبر کا نام ہے۔ ایک اچھا محقق برسوں کے مطالعے، غور و فکر اور داخلی کشمکش کے بعد کسی نتیجے تک پہنچتا ہے مگر اب مشین کی سہولت نے اس ریاضت کو غیر ضروری بنا دیا ہے۔ نوجوان محققین پڑھنے کے بجائے خلاصہ چاہتے ہیں، غور و فکر کے بجائے فوری جواب اور علمی جستجو کے بجائے تیار شدہ متن۔ یہ رجحان محض تحقیق ہی نہیں بلکہ انسانی ذہن کی تخلیقی قوت کے لیے بھی خطرہ بنتا جا رہا ہے۔ المیہ یہ بھی ہے کہ گلی محلوں میں قائم ہونے والی بے شمار جامعات نے تحقیق کو ایک کاروبار کی شکل دے دی ہے۔ داخلوں، فیسوں اور ڈگریوں کی دوڑ میں معیار، مطالعہ اور علمی تربیت کہیں پیچھے رہ گئے ہیں۔ کمزور، سطحی اور غیر ضروری موضوعات پر نہ صرف تحقیق کی اجازت دی جاتی ہے بلکہ انھی پر ڈگریاں بھی بانٹی جا رہی ہیں۔ ایسے ماحول میں تحقیق وقارِ علم کے بجائے محض روزگار اور ترقّی کے ایک رسمی زینے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ صورتِ حال اہلِ علم، جامعات اور ریاستی اداروں سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ اگر اب بھی تحقیق کو سنجیدگی، دیانت اور فکری وقار کے ساتھ وابستہ نہ کیا گیا تو آنے والے برسوں میں ہمارے پاس ڈگری یافتہ افراد تو ہوں گے، مگر حقیقی معنوں میں اہلِ تحقیق ذہن ناپید ہو جائیں گے۔ مصنوعی ذہانت کو مکمل طور پر ردّ کرنا مسئلے کا حل نہیں مگر اسے عقل و شعور کا نعم البدل سمجھ لینا یقیناً علمی خودکشی ہے۔ تحقیق کو پھر سے مطالعے، استدلال، تنقیدی شعور اور تخلیقی اذیت سے جوڑنا ہو گا، کیوں کہ علم ہمیشہ انسانی تجربے، احساس اور فکری ریاضت سے جنم لیتا ہے، محض مشینی ترتیب و پیش کش سے نہیں۔

ریت سے بُت نہ بنا اے مرے اچھے فن کار!
ایک لمحے کو ٹھہر میں تجھے پتھر لا دوں

ارشد محمود ناشاد

(مدیر)

❋ ❋ ❋